قاری محمد مصطفیٰ راسخ[1]

السنۃ بین اہل الفقہ واہل الحدیث: شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف کا تنقیدی جائزہ

Abstract

Shaykh Muḥammad al-Ghazālī is an Egyptian scholar who in his book 'The Difference in the Concept of Sunnah between the Experts of Fiqh and Ḥadīth' has austerely criticized the standards set by the Muḥaddithīn for the verification of Ḥadīth. In his response, several books were authored in the Arab world in order to defend these classical standards.

This treatise presents a comparative study of Shaykh Muḥammad al-Ghazāli's work and the work carried out in his response by his critics such as Shaykh Fahad bin Salmān al-'Awdah, Shaykh Sāliḥ bin 'Abd al-'Azīz Āl al-Shaykh and Shaykh Rabī' bin Hādī al-Madkhalī and is concluded that Shaykh Muḥammad al-Ghazālī's criticism on the standards of Muḥaddithīn was unreasonable and imbalanced.

'جدید فکر اسلامی' کی اصطلاح زندگی کے تمام پہلوؤں پر مشتمل ہے، جس کا مقصود تمام شعبہ ہائے زندگی سیاست، معاشرت، اقتصاد اور علم کے میدان میں اسلامی تعلیمات کی وضاحت و تشریح کرنا ہے۔ یہ ایک بے پایاں فکر ہے کہ جس کے علمبرداروں نے دعوت و اصلاح کے میدان میں گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ اس فکر کے حاملین علما میں سے الشیخ محمد رشید رضا (متوفیٰ 1354ھ) صاحب المنار، شیخ حسن البنا (متوفیٰ 1368ھ)، ابو الاعلیٰ مودودی (متوفیٰ 1400ھ)، سید قطب (متوفیٰ 1386ھ) اور شیخ مصطفیٰ سباعی (متوفیٰ 1384ھ) رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کے علاوہ عصر حاضر کے معروف اسکالر محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 1917م) شامل ہیں، جو تصنیف و تالیف کے میدان میں ایک مقام رکھتے تھے۔

'جدید فکرِ اسلامی' چھان بین اور تحقیق و تصحیح کی محتاج ہے، کیونکہ یہ 'فکر' عقل کی پیداوار ہے، جس میں غلطی کا

[1] مدیر انتظامی مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور

امکان موجود رہتا ہے، کیونکہ عقل پر مبنی افکار اللہ کی طرف سے نازل کردہ نہیں ہیں کہ ان کو من وعن قبول کر لیا جائے۔ مزید براں عقل کسی متعین حد کی پابند نہیں ہوتی کہ اس سے تجاوز نہ کیا جا سکے۔[1] الشیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کو مصر کے صوبہ بحیرہ کی معروف بستی "نکلا العنب" میں پیدا ہوئے۔ یہ وہی بستی ہے جہاں نامور مفکرین سلیم البشری (متوفیٰ 1335ھ)، شیخ ازہر محمد عبدہ (متوفیٰ 1323ھ) شیخ محمد البہی (متوفیٰ 1402ھ) اور شیخ الغزالی کے استاد محمود شلتوت (متوفیٰ 1963ء) رحمۃ اللہ علیہم پیدا ہوئے۔

محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد کتب لکھیں جن میں سے "خلق المسلم"، "عقيدة المسلم"، "فقه السيرة"، "ظلام من القرب"، "من معالم الحق"، "كيف نفهم الإسلام"، "مع الله"، "معركة المصحف"، "ركائز الإيمان"، "قذائف الحق"، "مائة سؤال حول الإسلام" وغیرہ قابل ذکر کتب ہیں۔ اور سب سے آخر میں معرکۃ الآراء کتاب "السنة النبوية بين أهل الفقه وأهل الحديث" تصنیف کی۔

موصوف کی یہ کتاب منفرد آراء کا مجموعہ ہے، جس میں انہوں نے اپنی رائے کو ضعیف استدلالات کے ساتھ پیش کیا ہے، متعدد عرب علما نے اس کتاب کا تنقیدی جائزہ لیا ہے اور اس کے جواب میں مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

شیخ سلمان بن فہد العودہ لکھتے ہیں:

> "محمد الغزالی کی پہلی کتب سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ سنت پر ایمان لانے اور سنت پر عمل کو واجب سمجھنے اور اہل قرآن (جو صرف قرآن کو مانتے ہوئے حدیث کا انکار کرتے ہیں) کا رد کرنے والوں میں سے ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے اپنی کتاب "مستقبل الاسلام" میں مستقل عنوان "أهل القرآن وأهل الحديث" کے نام سے قائم کیا ہے۔ اس عنوان کے تحت انہوں نے اہل قرآن کا رد کیا ہے اور اس امر کو واضح کیا ہے کہ سنت کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے کیونکہ اسلامی تعلیمات کی تفاصیل قرآن میں نہیں ہیں، بلکہ حدیث ہی قرآن کی بہترین تشریح ہے۔ اسی طرح اپنی کتاب "كيف نفهم الإسلام" میں "في دائرة السنة" کے عنوان سے ایک فصل قائم کی ہے اور اس میں سنت کی تعریف، اقسام اور ضعیف و صحیح پر بحث کی ہے، لیکن اپنی آخری مؤلفات میں انہوں نے اس موضوع "السنة النبوية بين أهل الفقه وأهل الحديث" کو بطور خاص ذکر کیا ہے اور اس پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، لیکن موصوف نے کہیں بھی اہل فقہ اور اہل حدیث سے اپنی مراد کو واضح نہیں کیا۔"[2]

ذیل میں شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کی اس کتاب کا مختصر تنقیدی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

---

1 العودة، سليمان بن فهد، الشيخ، محمد، حوار هادئ مع محمد الغزالي: ص5، دارالوطن، 1413ھ

2 حوار هادئ مع محمّد الغزالي: ص 6-7

کتاب کا طائرانہ جائزہ

فضیلۃ الشیخ صالح بن عبد العزیز آل الشیخ شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کی اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"میں نے اس کتاب کو متعدد مرتبہ پڑھا ہے جو قصص اور سخریات سے بھرپور، کلام کی عمدگی اور اخلاقیات سے محروم ہے اور صاحب کتاب نے اپنے آپ کو بطورِ قاضی اور جج پیش کیا ہے اور اپنی عقل کے مطابق فیصلہ کیا ہے کہ اہل حدیث اور اہل فقہ کون ہیں۔ یہ کتاب مؤلف کی کم علمی پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ متقدمین فقہا رحمۃ اللہ علیہم کی بڑی تعداد محدث بھی تھی اور متعدد محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم فقہا بھی تھے۔ کیا اِمام مالک (متوفیٰ 179ھ)، اِمام شافعی (متوفیٰ 204ھ)، اِمام احمد (متوفیٰ 241ھ)، اوزاعی (متوفیٰ 157ھ)، اللیث (متوفیٰ 175ھ) اور ثوری (متوفیٰ 161ھ) رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ اِمام فی الحدیث ہونے کے ساتھ ساتھ فقہاء نہیں تھے ؟ اس کتاب کو بنظر عمیق پڑھنے والے شخص پر یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ صاحب کتاب نے اپنے موقف کی موافقت کرنے والے کو فقیہ اور مخالفت کرنے والے کو محدث قرار دیا ہے، جیسا کہ آگے آنے والی مثالوں سے واضح ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک مقام پر مولف لکھتے ہیں:

"وأهل الحديث يجعلون دية المرأة على النصف من دية الرجل وهذه سوأة فكرية وخلقية رفضها الفقهاء المحققون."[1]

"اہل الحدیث کے نزدیک عورت کی دیت، مرد کی دیت سے آدھی ہے اور یہ فکری اور اخلاقی بگاڑ ہے کہ جس کا انکار محقق فقہاء نے کیا ہے۔"

کتاب کے مطالعہ سے سامنے آنے والے چند اساسی نقائص

ناقدین کے نزدیک شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کی اس کتاب کے مطالعہ کے بعد اس کتاب کے جو چند نمایاں نقائص سامنے آتے ہیں، وہ یہ ہیں:

- ☆ علمائے امت کی تنقیص اور ان کا استہزاء۔
- ☆ فنِ حدیث سے ناآشنائی اور اصولِ حدیث پر لکھی گئی کتب سے ناواقفیت۔
- ☆ علم اصولِ فقہ اور اختلافات فقہاء رحمۃ اللہ علیہم سے ناواقفیت۔
- ☆ مغرب اور دور حاضر کے سامنے احساسِ کمتری۔

کتاب کے چند چنیدہ اقتباسات اور ان پر تبصرہ

اب ہم شیخ کی کتاب سے چند اقتباسات پیش کرتے ہوئے ان کا مختصر تنقیدی جائزہ پیش کرتے ہیں۔

[1] صالح بن عبد العزيز آل شيخ، المعيار لعلم الغزالي في كتابة السنة النبوية: ص6، دار الوطن، 1410ھ۔

معرفتِ علل اور فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم

شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"وقد يصح الحديث سنداً ويضعف متنا بعد اكتشاف الفقهاء لعلة كافية منه." [1]

"بسا اوقات حدیث سنداً صحیح ہوتی ہے جبکہ متناً ضعیف ہو جاتی ہے جب فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اس میں مخفی علت کو کھول دیتے ہیں۔ ان علل و شذوذ کا کھولنا علمائے سنت (محدثین) پر منحصر نہیں ہے، بلکہ علمائے تفسیر و اصول اور علمائے فقہ اس کے مسئول اور ذمہ دار ہیں۔"

شیخ موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مذکورہ اصول کے تحت بہت سی صحیح احادیث کو رد کر دیا ہے۔ ہم ذیل میں چند نمایاں مسائل کے حوالے سے شیخ کے موقف کو بمع مکمل تجزیہ پیش کریں گے جس سے شیخ کے علم الحدیث اور اس فن کے ماہرین سے متعلق خیالات سامنے آسکتے ہیں۔

الميت يعذب ببكاء أهله پر شیخ محمد الغزالی کا موقف

اس حدیث کے حوالے سے شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

"جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس حدیث کو سنا تو اس کا انکار کر دیا اور قسم کھا کر کہا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں نہیں فرمایا اور بطور استدلال قرآن کی یہ آیت تلاوت کی: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث ظاہر قرآن کے خلاف ہے اور ناقابل قبول ہے۔ یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار اور ظاہر قرآن کے خلاف ہونے کے باوجود آج تک کتب صحاح میں موجود ہے، بلکہ ابن سعد (متوفیٰ 168ھ) رحمۃ اللہ علیہ تو اپنی طبقات میں اس حدیث کو متعدد سندوں کے ساتھ لائے ہیں۔" [2]

مذکورہ مثال کا جائزہ

شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ کلام پر متعدد ملاحظات ہیں:

شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے محسوس ہوتا ہے کہ فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اور محدثین عظام رحمۃ اللہ علیہم کے منہج میں فرق ہے، حالانکہ در حقیقت محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم اور فقہائے عظام رحمۃ اللہ علیہم کا منہج بعینہٖ ایک ہے۔ صرف مذہب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 150ھ) کے چند اصول، محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے اصولوں سے کچھ مختلف ہیں، ورنہ من حیث المجموع ائمہ اربعہ سمیت تمام علمائے امت اپنے منہج کے اعتبار سے اہل سنت والجماعت میں ہی شمار ہوتے ہیں۔ چند جزوی اختلاف کی بنا پر ان کے درمیان خط امتیاز کھینچنا کوئی مناسب رویہ معلوم نہیں ہوتا۔

---

1 الغزالي، محمد، السنة النبوية بين أهل الفقه وأهل الحديث: ص16، المعهد العالمي للفكر الإسلامي، القاهره

2 السنة النبوية للغزالي: ص15-16

اِمام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سمیت کسی بھی اِمام سے صحیح احادیث کو رد کرنے کے درایتی اصول ثابت نہیں ہیں بلکہ تمام ثقہ ائمہ حدیث و تفسیر اس امر پر متفق ہیں کہ ثابت شدہ (صحیح) حدیث کے مخالف ان آئمہ کے اقوال کو رد کر دینا واجب ہے۔ رہی بات مخفی علتوں کے ظہور کی تو محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم اس کے زیادہ حق دار اور اہل ہیں، کیونکہ تحقیق حدیث انہیں کا میدان ہے۔

اسی طرح مذکورہ حدیث کی تردید کر کے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے صحیح احادیث کو رد کرنے کا کوئی منہج پیش نہیں کیا، بلکہ یہ ان کی انفرادی رائے تھی کہ جس کی غلطی واضح ہو چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء رحمۃ اللہ علیہم اور محدثین رحمۃ اللہ علیہم میں سے کسی نے بھی «إن الميت ليعذب ...» والی حدیث کو رد کرنے پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پیروی نہیں کی۔

اس سلسلہ میں شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا انداز غیر مناسب ہے، جیسا کہ ان کا یہ قول: ”هذا الحديث المرفوض“ یعنی ”یہ پھینکی ہوئی حدیث“ کے الفاظ اس بات پر دلالت کر رہے ہیں۔ سنت کی عظمت و جلالت کو جاننے والا شخص اس قسم کے غیت مناسب کلام کو پڑھ کر یہی تاثر قائم کرے گا کہ علما کا کلام اس انداز کا نہیں ہونا چاہیے۔ مزید برآں فقہاء رحمۃ اللہ علیہم اور محدثین رحمۃ اللہ علیہم میں سے کسی کے ہاں بھی یہ حدیث پھینکی جانے والی نہیں ہے۔ شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ آج تک اس حدیث کے کتب صحاح میں موجود رہنے پر بھی معترض ہیں اور وہ حسرت کا اظہار کرتے ہیں کہ ایسی احادیث ان کتب سے خارج کیوں نہیں کر دی گئیں اور اسی بناء پر محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کو اپنی تنقید کا ہدف بناتے ہیں۔[1]

شیخ موصوف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ فقہا کا اصول ہے کہ ثابت نافی پر مقدم ہے، لہٰذا ممکن ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث مخفی رہ گئی ہو اور دیگر متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔[2]

روایتِ صحیحہ اور قرآن میں تعارض سے متعلق شیخ کا منہج

سابقہ حدیث ذکر کرنے کے بعد شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”اور میرے پاس وہی منہج ہے جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا منہج تھا کہ کتب صحاح کو قرآن پر پیش کیا جائے کیونکہ قرآن ہر غلطی سے محفوظ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روایات کے قبول و رد کے سلسلے میں فقہاء نے جو اصول وضع کئے ہیں ان میں بنیادی طور پر قرآن پر اعتماد کیا ہے۔ اگر کوئی روایت قرآن کے موافق ہوتی تو اس کو قبول کر لیتے ورنہ قرآن پر ہی عمل کرتے۔“[3]

---

1 ربيع بن هادي المدخلي، كشف موقف الغزالي من السنة وأهلها ونقد بعض آرائه: ص76، مكتبة ابن القيم، المدينة المنورة، 1410هـ

2 حوار هادئ مع محمد الغزالي: ص92

3 السنة النبوية للغزالي: ص 15-16

یہ کلام کئی اعتبار سے محل نظر ہے:

بعض رواۃ سے غلطی ہو جانا کوئی بعید از قیاس امر نہیں ہے، لیکن مذکورہ حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوئی غلطی نہیں کی، کیونکہ اس حدیث کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور روایت کیا ہے۔ لہٰذا ان تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر وہم اور غلطی کا حکم لگانا بعید بلکہ محال ہے۔[1]

وہ صحیح احادیث جن کو اُمت نے تلقی بالقبول سے نوازا ہے، فقہاے کرام رحمۃ اللہ علیہم اور محدثین عظام رحمۃ اللہ علیہم سمیت تمام اہل علم نے ان کی صحت پر اتفاق کیا ہے۔ اب امت اسلامیہ میں سے کسی شخص کے لیے جائز نہیں وہ نئے قواعد وضوابط گھڑے، تاکہ ان کے خلاف آنے والی صحیح احادیث نبویہ کو رد کیا جا سکے۔[2]

ائمہ فقہ کا کام ہے کہ وہ صحیح احادیث کی تشریح و تعبیر پیش کریں، کیونکہ ان کے اجتہادی قواعد واصول قرآن وسنت مطہرہ دونوں سے ماخوذ ہیں۔ اس لیے آئمہ فقہ وحدیث کا متفقہ عقیدہ ہے کہ صحیح حدیث قرآن کے مخالف ہو ہی نہیں سکتی۔[3]

مزید برآں قرآن کریم کے اجمالات کو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر سمجھنا اور ان کی تفاصیل کو پیش کرنا ناممکن ہے۔ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی سے کہا تھا:

"تو بیوقوف ہے، کیا تو نے قرآن مجید میں پڑھا ہے کہ ظہر کی نماز چار رکعات ہیں؟ ظہر میں قراءت سری ہے، اسی طرح نمازوں کی تعداد، زکوٰۃ کی تفصیلات قرآن میں کہاں موجود ہیں؟ پھر کہا: "بے شک کتاب اللہ مجمل ہے اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تفسیر کرتی ہے۔"[4]

ایک آدمی نے سیدنا مطرف بن عبد اللہ الشخیر رضی اللہ عنہ سے کہا: ہمیں قرآن کے علاوہ کچھ بیان نہ کرو۔ اس کو مطرف رضی اللہ عنہ نے کہا:

"ہم قرآن کے بدلے میں کچھ بیان نہیں کرتے، مگر ہم یہ کوشش کرتے ہیں کہ اس آدمی (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کی سمجھ کے مطابق قرآن کو بیان کریں جو ہم سے زیادہ قرآن کو سمجھنے والا تھا۔"[5]

عورت کی دیت کے مسئلہ پر شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف

شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وأهل الحديث يجعلون دية المرأة على النصف من دية الرجل وهذه سوأة فكرية وخلقية رفضها

---

[1] كشف موقف الغزالي من السنة وأهلها ونقد بعض أرائه: ص 76

[2] حوار هادئ مع محمّد الغزالي: ص 92

[3] الشافعي، أبو عبد الله محمد بن إدريس، الرسالة: ص146، مكتبة الحلبي، مصر، 1940م

[4] القرطبي، أبي عمر يوسف ابن عبد البر، جامع بيان العلم: 2/234، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

[5] جامع بيان العلم: 2/234

بعض الفقهاء والمحققون، فالدية في القرآن واحدة للرجل والمرأة والزعم بان دم المرأة أرخص وحقها أهون، زعم كاذب مخالفا لظاهر الكتاب."[1]

"محدثین کرام نے عورت کی دیت، مرد کی دیت کا نصف مقرر کی ہے اور یہ بداخلاقی و گھٹیا سوچ ہے، کہ جس کا فقہاء نے انکار کیا ہے۔ قرآن میں مرد، عورت کی ایک ہی دیت مذکور ہے۔ عورت کے خون کو سستا اور اس کے حق کو ہلکا سمجھنا باطل اور ظاہر کتاب کے خلاف ہے۔"

شیخ کے مذکورہ موقف پر تبصرہ

تمام فقہاء رحمۃ اللہ علیہم کا عورت کی دیت آدھی ہونے کے اس حکم پر اجماع ہے اور اس سلسلہ میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"سلف و خلف اہل علم میں سے کوئی بھی اس حکم کا مخالف نہیں ہے اور سب کا اتفاق ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف حصہ ہے، جو کہ 50 اونٹ بنتے ہیں۔ عورت کو قتل کرنے والا خواہ مرد ہو، عورت ہو یا ایک جماعت ہو ورثاء کی جانب سے دیت اختیار کر لینے کی صورت میں آدھی دیت ہی دینا ہوگی۔"[2]

البتہ زخموں کی دیت مرد اور عورت دونوں کی مساوی ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ابو بکر ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 733ھ) فرماتے ہیں:

"تمام فقہاء رحمۃ اللہ علیہم کا اجماع ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا آدھا حصہ ہے۔"[3]

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 456ھ) فرماتے ہیں:

"تمام اہل علم رحمۃ اللہ علیہم کا اتفاق ہے کہ قتل خطا میں 100 اونٹ دیت ہے جبکہ عورت کی دیت 50 اونٹ ہے۔"

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 725ھ) نے بھی اس اجماع کی تائید کی ہے۔[4] امام ابو القاسم الخرقی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 334ھ) فرماتے ہیں:

"آزاد مسلمان عورت کی دیت آزاد مسلمان مرد کی دیت کا آدھا حصہ ہے۔"[5]

---

1 السنة النبوية للغزالي: ص 19

2 أيضاً: ص 19

3 ابن منذر، محمد بن إبراهيم منذرى، الإجماع: ص 147، مؤسسة الكتب الثقافية، 1406هـ

4 ابن حزم، علي بن أحمد بن سعيد، مراتب الإجماع: ص140، دار ابن حزم، بيروت

5 ابن قدامة، عبد الله بن أحمد بن محمد المقدسي، المغنى: 8/402 ، تحقيق، عبد الله محسن التركي، عبد الفتاح محمد الحلو، هجر للطباعة والنشر، جيزه، الطبعة الثانية، 1992م

شیخ ربیع مدخلی، محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''فقہاء اُمت اور محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسلمان عورت کی دیت مسلمان مرد کی دیت کا نصف حصہ ہے جبکہ شیخ الغزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی لاعلمی میں اس متفق علیہ حکم کو فقط محدثین رحمۃ اللہ علیہم کی جانب منسوب کررہے ہیں، تاکہ ان پر جھوٹ اور مخالفت قرآن کی تہمت لگا سکیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے شیخ محمد کی غلطی کو کھول دیا ہے تاکہ عام مسلمان اس گمراہ کن موقف سے بچ سکیں۔''[1]

خبر واحد میں مخفی علت اور احترام انسانی کا فلسفہ

شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''خبر واحد بسا اوقات صحیح سند ہونے کے باوجود کسی مخفی علت کی بناء پر ضعیف ہو جاتی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کفار میں سے جو ہم سے لڑائی کرے گا، ہم بھی اس سے لڑائی لڑیں گے اور معاہد ذمی کے قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔ اس بنیاد پر «لا يقتل مسلم في كافر» والی حدیث کو رد کر دیا جائے گا اگرچہ اس کی سند صحیح ہے، کیونکہ اس حدیث کا متن مخالف نص قرآنی ﴿ النفس بالنفس ﴾ کی وجہ سے معلول ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ فقہ حنفی احترام انسانی کے زیادہ قریب ہے۔''

شیخ ربیع بن ہادی المدخلی، شیخ الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ قول پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''صحیح بات تو یہ ہے کہ شیخ الغزالی، فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم اور محدثین عظام رحمۃ اللہ علیہم کی جانب سے پیش کیے گئے 'علت و شذوذ' کے تصور کو سمجھنے سے قاصر ہیں اور اپنے من پسند اصولوں کو ہی محدثین رحمۃ اللہ علیہم وفقہاء رحمۃ اللہ علیہم کے اصول قرار دیتے ہیں۔ مزید برآں شیخ موصوف میں اتنی قوت استدلال نہیں کہ وہ محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم اور فقہاے عظام رحمۃ اللہ علیہم کی قائم کردہ 'علت وشذوذ' کی تعریفات کا عملی مثالوں پر انطباق کر سکیں۔''[2]

شاذ کی تعریف

شاذ کی متعدد تعریفات ہیں، جن میں سے بہترین تعریف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''ليس الشاذ من الحديث أن يروى الثقة ما لايروى غيره، هذا ليس بشاذ ، إنما الشاذ أن يروى الثقة حديثا يخالف فيه الناس.''[3]

''شذوذ یہ نہیں ہے کہ ثقہ راوی ایسی حدیث روایت کرے جو اس کے غیر نے نقل نہیں کی ہے، بلکہ شذوذ یہ ہے

---

1 كشف موقف الغزالي من السنة وأهلها ونقد بعض آرائه: ص87

2 أيضاً: ص91

3 الحاكم، أبو عبد الله محمد بن عبد الله، معرفة علوم الحديث للحاكم: ص119، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الثانية، 1977م

کہ ثقہ راوی ایسی حدیث نقل کرے جو دیگر لوگوں کی نقل کردہ حدیث کے مخالف ہو۔"

معلول کی تعریف

حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 643ھ) اس سلسلہ میں رقم طراز ہیں:

"حدیث میں کوئی ایسا سبب پایا جائے جو اسکی صحت کو گدلا کر دے باوجودیکہ ظاہری طور پر وہ حدیث صحیح ہو۔"[1]

فقہاء رحمۃ اللہ علیہم اور محدثین رحمۃ اللہ علیہم کی بیان کردہ شاذ اور معلول حدیث کی تعریفات سے معلوم ہوا کہ اس میں "صحیح احادیث کی قرآن سے مخالفت" والا اصول کہیں مذکور نہیں ہے، جسے شیخ الغزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا۔

احترامِ انسانیت اور عدل و مساوات

شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ ہمارا موقف احترامِ انسانیت اور عدل و مساوات کے زیادہ قریب ہے۔ کیا اس عدل و مساوات کا یہ مطلب ہے کہ کفر و ایمان کو مساوی کر دیا جائے اور کافروں اور مومنوں کے درمیان فرق مٹا دیا جائے؟ جبکہ قرآنِ مجید مسلمانوں اور مجرموں کو برابر قرار نہیں دیتا: ﴿ اَفَنَجۡعَلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ کَالۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴾[2] "کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں کے برابر کر دیں گے؟"

درحقیقت کافر کی کوئی حرمت نہیں ہے اور جو معاہد اور ذمی کو محدود حرمت دی گئی ہے، وہ اس لئے ہے کہ اس نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے ذمہ میں داخل کر لیا ہے، لیکن کیا کسی ذمی کے مر جانے پر ہم اس کا جنازہ پڑھیں گے؟ اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں گے؟ اور اس کے لئے استغفار کریں گے؟ اِرشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤی اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ مَّاتَ اَبَدًا ﴾[3] "اور آپ ان میں سے کسی کی بھی جنازہ نہ پڑھیں۔"، اسی طرح ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ اِنَّمَا الۡمُشۡرِکُوۡنَ نَجَسٌ ﴾ "سوائے اس کے نہیں، مشرک نجس ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث کو امام بخاری (متوفیٰ 256ھ)، امام ترمذی (متوفیٰ 279ھ)، امام نسائی (متوفیٰ 303ھ)، امام دارمی (255ھ) اور امام عبد الرزاق (متوفیٰ 211ھ) رحمۃ اللہ علیہم نے روایت کیا ہے اور دیگر متعدد روایات اس کی شاہد موجود ہیں۔

بدر کے کنوئیں پر مقتول مشرکین سے خطاب والی حدیث کے بارے میں شیخ کا موقف

شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وأم المؤمنين عائشة، فقيهة محدثة أديبة، وهى واقفة عن نصوص القرآن، ترفض أدنى تجاوز لها،

---

[1] معرفة علوم الحديث: ص68

[2] سورۃ القلم:35:68

[3] سورۃ التوبۃ:84:9

وعند ما سمعت أن النبي ﷺ وقف على حافة البئر التي دفن المشركون بها يناديهم بأسماءهم كان لها تعليق جدير بالتدبر."[1]

"سیدہ عائشہؓ ایک فقیہ محدث اور نصوص قرآن سے باخبر خاتون تھیں اور قرآن پر ادنی سا تجاوز بھی مسترد کر دیتیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے سنا کہ نبی کریم ﷺ نے جنگ بدر میں قتل کئے گئے مشرکین کو کنوئیں کے پاس جاکر ان کے نام سے لے کر پکارا تو سیدہ عائشہؓ نے اس کا انکار کر دیا کہ یہ غلط ہے، کیونکہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ ﴾[2] "بے شک آپ مردوں کو سنوا نہیں سکتے اور نہ آپ بہروں کو اپنی پکار سنوا سکتے ہیں۔"

شیخ کے مذکورہ موقف کا جائزہ

سیدہ عائشہؓ کی مانند دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی فقہ، حدیث، ادب اور نصوص قرآن سے بخوبی واقف تھے۔ بدر کے کنوئیں والی اس حدیث کو روایت کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے وہ صحابہ بھی ہیں، جو سیدہ عائشہؓ سے زیادہ فقیہ اور عالم تھے، ان میں سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کے متعلق نبی کریم ﷺ نے علم اور فقہ کی گواہی دی اور ان کو حبر الأمۃ کا لقب عطا کیا۔"[3]

اسی طرح اس حدیث کے راویوں میں سے فقہاء و محدثین صحابہ ابن مسعود، ابو طلحہ، ابن عمر اور انس رضی اللہ عنہم بھی ہیں، جو سب کے سب کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے متبع اور جاننے والے تھے۔ اگر سیدہ عائشہؓ کو معلوم ہو جاتا کہ اس حدیث کو روایت کرنے میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شریک ہیں، تو وہ ہرگز اس کی مخالفت نہ کرتیں۔ شیخ ربیع مدخلی، شیخ الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ موقف پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"صحیح بات تو یہ ہے کہ مذکورہ روایت دفاع کی محتاج ہی نہیں ہے، کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ کا معجزہ تھا، ان مُردوں کو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کا کلام سنا دیا تھا۔ لہٰذا حضرت عائشہؓ کا معارضہ ناقابل قبول ہے۔"[4]

شیخ سلمان بن فہد العودہ رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ موقف پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"شیخ الغزالی رحمۃ اللہ علیہ گویا کہ حضرت عائشہؓ پر یہ اعتراض کر رہے ہیں کہ وہ سنت نبوی ﷺ کا احترام نہیں کرتی تھیں۔ جمہور اہل علم وفقہا رحمہم اللہ کا یہی موقف ہے کہ مذکورہ حدیث قرآن کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ یہ حکم انہی کے ساتھ خاص ہے۔"[5]

---

1. كشف موقف الغزالي من السنة: ص 128
2. سورة الفاطر: 22:35
3. حوار هادئ مع محمّد الغزالي: ص 149
4. كشف موقف الغزالي من السنة: ص128
5. حوار هادئ مع محمّد الغزالي: ص149

الفاظِ قرآن پر مطلع ہونا اور محدثین کرام کا عجز؟

شیخ الغزالی رحمۃ اللہ علیہ محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے بارے میں نامناسب کلمات کہتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وكل ما نحرص عليه نحن شد الانتباه إلى الفاظ القرآن ومعانيه، فجملة غفيرة من أهل الحديث محجوبون عنها مستغرقون في شئوون أخرى تعجزهم عن شرب الوحي.“[1]

”ہمارا انتہائی مقصود الفاظِ قرآن اور اس کے معانی پر مطلع ہونا ہے، جبکہ محدثین ایک ایک جملہ سے محروم ہیں اور دیگر کاموں میں مصروف ہیں جس کی وجہ سے وہ وحی کا مشروب پینے سے عاجز ہیں۔“

شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات درست ہے کہ قرآن کے معانی و الفاظ کا اہتمام کرنا عظیم الشان عمل ہے، لیکن موصوف یہ کیوں بھول رہے ہیں کہ قرآن نے ہی سنت پر عمل کرنے کو واجب قرار دیا ہے۔ کیا قرآن مجید نے سنت کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم نہیں دیا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝۶۵ ﴾[2]

”نہیں، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، تمہارے رب کی قسم! یہ کبھی مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں، بلکہ سربسر تسلیم کرلیں۔“

ہم شیخ موصوف کے خدمت میں ادباً عرض کریں گے کہ کیا یہی فرمایا ہے:

﴿ وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾[3]

”جو کچھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمھیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روکے اس سے رک جاؤ۔“

اتباعِ حدیث کے وجوب کے شرعی دلائل کے ساتھ ساتھ عقلی دلائل بھی اس کے مؤید ہیں کیونکہ قرآن مجید کی متعدد آیات ایسی ہیں، جن کو سنت کے بغیر سمجھنا ممکن ہی نہیں۔

شیخ کے کلام ”محدثین دیگر کاموں میں مصروف ہیں جس کی وجہ سے وہ وحی کا مشروب پینے سے عاجز ہیں“ کے حوالے سے عرض ہے کہ محدثین اگر دیگر کاموں میں مصروف ہیں تو کیا انکی رائے میں وہ لہو و لعب میں پڑے ہوئے ہیں؟ یا فلسفہ اور منطق کو تھامے ہوئے ہیں؟ نہیں! محدثین کی جماعت ہی ایسی جماعت ہے جو فہم قرآن و سنت میں ممتاز ہیں اور حدیث و سنت کا ہر دم دفاع کررہی ہے، نیز اسے بحفاظت اگلی نسلوں تک پہنچا رہی ہے۔

---

1 السنة النبوية للغزالي: ص15

2 سورۃ النساء: 65:4

3 سورۃ الحشر: 7:59

ہمارا شیخ سے سوال ہے کہ کیا محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے ان روایات کو (جو بزعم شیخ قرآن کے ظاہر کے خلاف ہیں) نقل کر کے اسلام کے حق میں کوئی جرم اور گناہ کر لیا ہے؟ جس وجہ سے شیخ موصوف محدثین عظام رحمۃ اللہ علیہ پر تنقید فرمارہے ہیں۔

ملک الموت کی آنکھ پھوڑنے والی حدیث کے بارے میں شیخ کا موقف

شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"میں الجزائر میں تھا کہ ایک طالب علم نے مجھ سے سوال کیا کہ کیا یہ حدیث صحیح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ملک الموت ان کی روح کو قبض کرنے کے لئے آئے تو انھوں نے ملک الموت کی آنکھ پھوڑ دی تھی؟ میں نے (دل میں الجھن محسوس کرتے ہوئے) اس طالب علم کو جواب دیا کہ اس حدیث کا کیا فائدہ؟ نہ تو اس حدیث سے عقیدے کا کوئی مسئلہ ماخوذ ہے اور نہ ہی یہ حدیث کسی عمل کے ساتھ مربوط ہے، جبکہ اُمت اسلامیہ کی صورتحال آج یہ ہے کہ مشکلات والجھنوں میں پھنسی ہوئی ہے۔"[1]

شیخ موصوف نے مذکورہ حدیث کی صحت کے بارے میں اپنے 'ارشادات' یوں پیش کرتے ہیں:

"یہ حدیث سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جن کے بارے میں بعض لوگوں نے اختلاف کیا ہے اور میں اپنے دل میں سوچتا ہوں کہ کیا واقعی یہ حدیث صحیح ہے؟ لیکن اس کا متن شک پیدا کر رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام موت کو ناپسند کر رہے تھے اور اپنی زندگی مکمل ہو جانے کے باوجود اللہ کی ملاقات سے گریز کر رہے تھے، حالانکہ اللہ کے نیک بندوں سے یہ عمل واقع ہونا بعید از قیاس ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

«من أحب لقاء الله أحب الله لقاءه»

لہٰذا انبیاے کرام سے یہ کیسے ممکن ہے؟ خصوصاً جبکہ موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم نبیوں میں سے تھے؟ میری عقل اس بات کو تسلیم کرنے سے انکاری ہے کہ ایسا کوئی واقعہ ہوا ہو؟ شاید اس حدیث کا متن معلول ہے۔"[2]

مذکورہ موقف پر تبصرہ

شیخ سلمان بن فہد العودہ، شیخ موصوف کے مذکورہ موقف پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"شیخ الغزالی کا طالب علم کو مذکورہ انداز سے جواب دینا کیا استخفاف حدیث کے دائرہ میں نہیں آتا ہے؟ پھر یہ کہنا کہ یہ حدیث نہ تو کسی عقیدہ کے مسئلہ کے ساتھ متصل ہے اور نہ ہی کسی عمل سے مرتبط ہے۔ کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور حدیث نبوی کا استخفاف نہیں! حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو کوئی بات بھی وحی الٰہی کے بغیر نہیں کرتے تھے۔

[1] السنة النبوية: ص 26-29

[2] أيضاً: ص 26-29

شیخ موصوف سے ہمارا سوال یہ ہے کہ وہ اس اسرائیلی شخص کے ساتھ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے قصہ پر کیا موقف رکھتے ہیں، جس کو موسیٰ علیہ السلام نے گھونسا مار کر ہلاک کر دیا تھا؟ موصوف کا مذکورہ انداز کلام قرآن مجید کے متعدد قصوں کے استخفاف کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ میرے نزدیک شیخ کا موقف بذات خود ایسا ہے کہ جس سے نہ کسی عقیدے کا مسئلہ ماخوذ ہوتا ہے اور نہ ہی کسی عمل کے ساتھ مرتبط ہے۔ احادیث کے متعدد فوائد ہیں جن میں سے ایک فائدہ ایمان کی آزمائش بھی ہے کیونکہ متقین ایمان بالغیب رکھتے ہیں۔"[1]

اگر اس قصہ سے کوئی مسئلہ مستنبط نہیں ہوتا، تو پھر اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام اور چیونٹی کا قصہ کیوں ذکر کیا ہے؟ نیز یوسف علیہ السلام کا طویل قصہ ذکر کرنے کا کیا فائدہ تھا، کیونکہ (شیخ موصوف کے اپنے موقف کے مطابق) اس سے بھی کوئی مسئلہ مستنبط نہیں ہوتا۔ اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ شیخ کے تلامذہ شکوک و شبہات سے بچ جائیں گے اور مستشرقین ان کے موقف کو لے کر قرآن اور سنت دونوں پر اپنے شکوک و شبہات کو تقویت نہیں دیں گے؟

شیخ ربیع بن ہادی المدخلی، شیخ الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ موقف کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ملک الموت کے ساتھ مذکورہ واقعہ پیش آنا قرآن اور صحیح احادیث سے ثابت ہے، اس پر ایمان لانا اور اس میں شک کرنے سے بچنا ضروری اور واجب ہے۔ اس قصہ میں شک کرنے سے دیگر متعدد قصوں میں بھی شک کرنا لازم آئے گا، جس سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں شیخ موصوف اپنے دل میں الجھن محسوس کرتے ہیں اور ان کی عدالت کے سلسلہ میں شک کا شکار ہیں۔ شیخ سے ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا یہ الجھن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے پیدا ہوئی ہے یا اس حدیث کے راوی إمام الائمۃ فی الحدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے؟ نیز براہ کرام ہمیں یہ بھی بتائیں کہ وہ کون سے صحابہ رضی اللہ عنہم، ائمہ اربعہ اور فقہا و محدثین رحمۃ اللہ علیہم ہیں، جنہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی صحت میں اختلاف کیا ہے؟"[2]

شیخ ربیع بن ہادی المدخلی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

"مذکورہ حدیث سنداً و متناً صحیح ثابت ہے، بلکہ صحت کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہے، کیونکہ اس حدیث کو بخاری و مسلم دونوں نے بالاتفاق روایت کیا ہے۔ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام یا کسی دوسرے شخص کا موت کو ناپسند کرنا درجہ نبوت کے منافی ہے؟ جس نے شیخ کے دل میں شک پیدا کر دیا۔ اگر اس قصہ نے شک پیدا کیا ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان سے متعلق موصوف کا کیا موقف ہے: ﴿فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ

1 حوار هادئ مع محمّد الغزالي: ص9

2 كشف موقف الغزالي من السنة: ص155

وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّ لَمْ یُعَقِّبْ﴾[1] کیونکہ جس 'عقلی علت' کی بنیاد پر وہ مذکورہ قصے کو رد کر رہے ہیں، وہی 'علت' اس آیت میں بھی موجود ہے۔ دراصل شیخ موصوف نے یہاں محدثین رحمۃ اللہ علیہم کے فہم پر حملہ کیا ہے کہ محدثین سطحی فکر کے مالک ہوتے ہیں اور احادیث کی مخفی علتوں سے ناواقف ہوتے ہیں، لیکن مذکورہ دلائل سے واضح ہو جاتا ہے کہ سطحی فکر کا مالک کون ہے؟"[2]

شیخ الغزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مذکورہ کے کلام کے بعد رقم طراز ہیں:

"والعلة يبصرها المحققون وتخفى على أصحاب الفكر السطحي."[3]

"مخفی علت کو محققین پہچان لیتے ہیں جبکہ سطحی فکر کے لوگوں پر وہ مخفی رہتی ہے۔"

شیخ ربیع بن ہادی المدخلی رحمۃ اللہ علیہ موصوف کی مذکورہ عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہمارا شیخ موصوف سے سوال یہ ہے کہ وہ مخفی علت کونسی ہے؟ اور اس کو پہچاننے والے محققین کون لوگ ہیں؟ اور سطحی سوچ رکھنے والے کون لوگ ہیں؟ جن پر یہ علل مخفی رہ جاتی ہیں۔ اس کا جواب غالباً یہی ہے کہ شیخ کے ہاں سطحی فکر کے حامل لوگ امام بخاری (متوفیٰ 256ھ)، امام مسلم (متوفیٰ 261ھ) اور امام نووی (متوفیٰ 676ھ) وغیرہ جیسے فقہائے محدثین اور ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم ہیں، جنہوں نے اپنی پوری زندگی خدمت حدیث میں وقف کر دی۔ شیخ ان کو سطحی لوگ اس لئے کہہ رہے ہیں، کیوں کہ انہوں نے اس حدیث کو رد کرنے والوں کو بے دین قرار دیا ہے۔"[4]

شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض

شیخ موصوف فرماتے ہیں:

"ہمیں اس روایت پر بھی تعجب ہے، جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ زنا کرنے کی تہمت لگائی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ اس متہم شخص کو قتل کر دیں۔ جب علی رضی اللہ عنہ گئے تو دیکھا کہ اس شخص کا تو آلہ تناسل نہیں ہے، لہٰذا علی رضی اللہ عنہ واپس آ گئے اور اس کو قتل نہ کیا۔ شیخ کہتے ہیں کہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ کسی شخص پر تہمت کی تحقیق کئے بغیر اس پر حد نافذ کر دی جائے اور اس کو دفاع کا حق بھی نہ دیا جائے۔"[5]

---

1 سورۃ القصص:31:28

2 كشف موقف الغزالي من السنة: ص165

3 السنة النبوية: ص 26-29

4 كشف موقف الغزالي من السنة: ص 166

5 السنة النبوية للغزالي: ص 29

مذکورہ حدیث پر شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے 'ارشادات کا جائزہ

مذکورہ حدیث کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ [1] اور احمد رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 241ھ)[2] وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے اور اس میں کوئی کلام نہیں ہے۔ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 751ھ) اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

"ليس في إسناده من يتعلق عليه."[3]

"اس حدیث کی اِسناد میں کوئی راوی بھی ایسا نہیں ہے جس پر جرح کی جائے۔"

اس حدیث پر وارد اشکال کا جواب دیتے ہوئے اِمام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقتاً اس کو قتل کرنے کا ارادہ نہیں کیا تھا، بلکہ آپ کا مقصود اس کو ڈرانا دھمکانا تھا، تاکہ وہ دوبارہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے پاس نہ آئے۔ جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے دو عورتوں کے درمیان بچے کے جھگڑے کا فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ چھری لاؤ! میں اس بچے کو آدھا آدھا کر دیتا ہوں۔ اس موقع پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے حقیقت کلام کو مراد نہیں لیا تھا۔"[4]

شیخ سلمان بن فہد العودہ رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پر وارد شدہ اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس حدیث کا نہایت واضح جواب یہ ہو سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اس گستاخی اور جرأت پر اس کو تعزیراً قتل کرنے کا حکم دیا تھا اور تعزیراً قتل کرنا مصلحت کے تحت ہوتا ہے، حد کا نفاذ نہیں۔ کیونکہ اس شخص کا ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے پاس آنے جانے کا تذکرہ لوگوں میں عام ہو چکا تھا اور وہی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے متعلق بری کلام کا سبب بنا تھا۔ جب حقیقت حال واضح ہو گئی کہ وہ شخص مقطوع الذکر ہے، تو معاملہ ختم ہو گیا ہے۔"[5]

---

1 النيسابوري، مسلم بن الحجاج، صحيح مسلم، كتاب التوبة، باب براءة حرم النبي ﷺ من الريبة: 2771، دار السلام للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الأولى، 1998م

2 ابن حنبل، أبو عبد الله أحمد بن محمد، مسند أحمد، مسند أنس بن مالك رضي الله عنه: 21/ 405، مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى، 2001م

3 ابن قيم الجوزية، شمس الدين، زادالمعاد في هدي خير العباد، فصل في حكمه ﷺ بقتل من اتهم بأم ولده فلما ظهرات براءته امسلك عنه: 5/16، مؤسسة الرسالة، مكتبة المنار الإسلامية، الكويت، الطبعة السابعة والعشرون، 1994م

4 زادالمعاد: 5/16

5 حوار هادئ مع محمد الغزالي: ص98

حدیث «نهى رسول الله ﷺ عن النعي» کے بارے میں شیخ الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف

شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :

"عقل سلیم اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ فوتیدگی کا اعلان کرنا حرام ہے۔ بعض طلبہ نے اس سلسلے میں مجھ سے سوال کیا، تو میں نے جواب دیا کہ اس اعلان سے مراد وہ اعلان ہے، جس میں تفاخر ہو۔ فقط اعلان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ طلبہ نے سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں موجود حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت پیش کی کہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بوقت وفات فرمایا تھا کہ: میری موت کا اعلان نہ کرنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ وہی اعلان بن جائے جس سے نبی کریم ﷺ نے منع کیا تھا۔"[1]

اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد شیخ الغزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"آج کل نوجوانوں کے درمیان متعدد ایسی احادیث گردش کر رہی ہیں، جن کی اسانید تو صحیح ہیں، مگر ان کا متن ناقابل قبول ہے۔"[2]

مذکورہ حدیث کے بارے شیخ کے موقف کا تجزیہ

موت کا اعلان کرنے سے متعلق دو طرح کی احادیث منقول ہیں، جن میں کچھ ممانعت پر دلالت کرتی ہیں، جیسا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث گزری اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی جامع ترمذی میں ممانعت والی روایت منقول ہے، جبکہ بعض احادیث جواز پر دلالت کرتی ہیں، جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیحین میں روایت موجود ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نجاشی رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خود دی تھی۔[3]

عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 1353ھ) فرماتے ہیں:

"ان احادیث کے درمیان بہترین تطبیق یہی ہے کہ جب موت کی خبر کے ساتھ مفاخر و محاسن بیان کئے جائیں اور ساتھ ساتھ جزع وفزع بھی ہو، تو موت کی خبر دینا اور اعلان کرنا مکروہ ہے اور اگر فقط اعلان مقصود ہو اور اس کی نماز جنازہ وغیرہ کا وقت بتانا مقصود ہو، تو اعلان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔"[4]

---

1 السنة النبوية للغزالي: ص 39

2 أيضاً: ص40

3 البخاري، أبو عبد الله محمد بن إسماعيل، صحيح بخاری، كتاب الجنائز، باب الرجل ينفى إلى أهل الميت بنفسه: 1245، دار السلام للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الثانية، 1999م

4 المباركفوري، عبد الرحمن بن عبد الرحيم، تحفة الأحوذي بشرح جامع الترمذي: 4/ 51، دار الكتب العلمية، بيروت

باقی رہا کہ شیخ کا یہ کہنا کہ آج کل نوجوانوں کے درمیان متعدد ایسی احادیث گردش کر رہی ہیں جن کی سند تو صحیح ہے، مگر متن ناقابل قبول ہے درست نہیں، کیونکہ جب کسی حدیث کی سند صحیح ثابت ہو جائے، تو اس کے متن کو ضعیف قرار نہیں دیا جاسکتا، بلکہ متعارض متون میں تطبیق و جمع کی شکل نکالی جاتی ہے۔ متعدد صحیح احادیث ایسی موجود ہیں جن کے متون آپس میں باہم متعارض ہیں۔ حتی کہ متعدد قرآنی آیات بھی بسا اوقات باہم متعارض نظر آتی ہیں، لیکن اہل علم نے ان کے درمیان بہترین جمع کی شکل پیش کی ہے۔ صاحب اضواء البیان شیخ محمد امین الشنقیطی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 1393ھ) نے ایک مستقل کتاب "دفع إيهام الاضطراب عن آيات القرآن" پر لکھی ہے، جس میں انہوں نے قرآنی آیات کے ظاہری تعارض کو دور فرمایا ہے۔

متعارض احادیث جمع کرنے کے سلسلے میں اہل علم نے بھی متعدد کتب تصنیف کی ہیں، جیسا کہ اِمام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 321ھ) کی کتاب "مشكل الآثار" کا یہی موضوع ہے۔ ان سے قبل اس موضوع پر اِمام طبری رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 310ھ) نے قلم اٹھایا اور ایک کتاب "الجمع بين الأحاديث التي ظاهرها التعارض" کے نام سے لکھی ہے۔

مسئلہ رضاعت کے بارے میں شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف

شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہؓ کی حدیث نقل کی ہے، جس میں مذکور ہے کہ قرآن مجید میں رضاعت کے ثبوت کے لئے دس گھونٹوں کا تذکرہ موجود تھا۔ پھر ان دس گھونٹوں کو پانچ گھونٹوں کے ساتھ منسوخ کر دیا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے، لیکن یہ (دس گھونٹوں والی) آیت ابھی تک تلاوت کی جاتی تھی۔ اس حدیث کے بارے میں اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب اس پر عمل نہیں ہے۔"[1]

اس حدیث پر اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے تبصرہ کو نقل کرنے کے بعد شیخ الغزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

" ہم کئی بار یہ تاکید کر چکے ہیں کہ اخبار احاد کو یہ حق حاصل نہیں ہے، کہ وہ محفوظ کتاب اور سنت رسول سے متعارض ہوں اور دین میں وہم اور شک ڈالیں۔"[2]

مذکورہ موقف کا جائزہ

مذکورہ حدیث کو اِمام مسلم، امام مالک، امام ابو داؤد (متوفیٰ 275ھ)، امام ترمذی (متوفیٰ 2979ھ) اور اِمام نسائی (متوفیٰ 303ھ) رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔ کیا یہ حدیث کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے؟

1 السنة النبوية للغزالي: ص 174

2 أيضاً: ص 174

ہماری سمجھ سے بالا ہے۔ اگر تو شیخ کا مقصود یہ ہے کہ قرآن کی آیت کریمہ ﴿وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾ میں رضعات (گھونٹوں) کی تعداد عمومی طور پر بغیر کسی تعیین کے بیان کی گئی ہے، تو اس کا سادہ جواب یہ ہے کہ آیت قرآنی مجمل ہے اور اس حدیث نے اس اجمال کی وضاحت کر دی ہے کہ وہ کم از کم پانچ دفعہ کا پینا ہے کہ جس سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے۔ اور اگر شیخ کا مقصود یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فوت ہو جانے کے باوجود اس آیت کی تلاوت کی جارہی تھی، تو بھی اس میں اشکال والی کوئی بات نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس آیت کے منسوخ ہونے کا علم نہ ہو سکا ہو اور وہ اس آیت کی تلاوت کرتے رہے ہوں، لیکن جب ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس آیت کے منسوخ ہونے کا علم ہو گیا تو انہوں نے اس کی تلاوت کرنا ترک کر دی۔

یہ بات یاد رہے کہ جس طرح کوئی آیت نازل ہونے کے فوراً بعد لوگوں میں نہیں پھیلتی تھی بلکہ تدریجاً لوگوں تک پہنچتی تھی، اسی طرح جب کوئی آیت منسوخ ہو جاتی ہے تو اس کا علم بھی بالتدریج ہی تمام لوگوں تک منتقل ہوتا تھا۔ رہا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ "لیس علی هذا العمل" یہ صحیح ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انہوں نے حدیث کا انکار کر دیا ہے، جیسا کہ شیخ الغزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تبصرہ کیا ہے کہ "ورفض الحديث"، کیونکہ حدیث کا غیر معمول بہ ہونا اور شے ہے اور اس کا انکار ایک دوسری شے ہے۔ ہم مزید یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا کہ یہ روایت 'غیر معمول بہا' ہے، تو یہ فقط ان کی اجتہادی رائے ہے، جس میں وہ منفرد بھی نہیں ہیں، بلکہ پانچ رضعات سے حرمت کے ثبوت پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً سیدنا ابن مسعود، عائشہ، ابن الزبیر رضی اللہ عنہم اور علمائے کرام کی ایک جماعت نے بھی موافقت کی ہے۔

جنوں کے وجود کے بارے میں شیخ کا موقف

شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ جنوں کے قائل علما پر طنز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کیا جنات کو صرف مسلمانوں پر ہی سوار ہونے کی تربیت دی گئی ہے۔ جرمن، جاپانی اور امریکی حضرات پر جن سوار کیوں نہیں ہوتے؟ مسلمانوں کی جانب سے اس قسم کے اوہام کا عام ہو جانا، شہرت اسلام کو بدنام کرنے کا باعث بن رہا ہے۔ جب مختلف جرائد نے شیخ ابن باز رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 1999ء) کی جانب سے ایک دیہاتی کے جسم سے بوڑی جن نکالا اور پھر اس جن کے مسلمان ہونے کا واقعہ نقل کیا، تو میں قارئین کے چہروں پر دین اور علم کے درمیان لمبی مسافت دیکھ رہا تھا۔"[1]

شیخ کے مذکورہ موقف کا جائزہ

انسان کے جسم میں جن داخل ہو جانے کے بارے میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 728ھ) فرماتے ہیں:

[1] السنة النبوية: ص 91

"تمام علماء اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ جن، انسان کے جسم میں داخل ہو جاتے ہیں اور مسلمانوں میں سے کوئی شخص بھی اس حقیقت کا منکر نہیں ہو سکتا۔ جو شخص اس حقیقت کا انکار کرتا ہے تو گویا کہ وہ شخص شریعت اسلامیہ ہی کو جھٹلا رہا ہے۔ ادلہ شرعیہ میں سے ایک بھی دلیل اس حقیقت کے منافی ثابت نہیں ہے۔"[1]

شیخ سلمان بن فہد العودہ شیخ الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کے اس موقف پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"تعجب کی بات تو یہ ہے کہ استاذ عبد الحلیم عویس (متوفی 2011م) بھی "الشرق الأوسط اخبار" میں شیخ الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کے اس نظریئے کی تائید کرتے نظر آتے ہیں۔ استاذ عبد الحلیم رحمۃ اللہ علیہ اپنے کلام کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ جمہور مسلمانوں کا یہی مذہب ہے کہ جن، جسم انسانی میں داخل نہیں ہو سکتے۔ میں کہتا ہوں کہ جمہور مسلمانوں سے شیخ کی کیا مراد ہے؟ یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ ہر شخص اپنے موقف اور نظریے کو پیش کرنے کے بعد یہی کہتا ہے کہ یہ جمہور مسلمانوں کی رائے ہے۔ جو شخص بھی اس موقف کو جمہور مسلمانوں کا موقف قرار دیتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ کسی ایک ہی کتاب کا نام بتا دے جس میں صراحت ہو کہ یہ موقف جمہور مسلمانوں کا ہے۔ میری رائے میں اس موقف کے حاملین اس قسم کے دعوے کر کے علمی خیانت کا ثبوت دیتے ہیں۔ شیخ موصوف نے اپنے اس منفرد موقف کی تائید میں کتاب و سنت حتیٰ کہ عقل سے بھی ایک دلیل تک پیش نہیں کی۔ شیخ کے ذکر کردہ موقف سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس مسئلہ سے بالکل ناواقف ہیں۔"[2]

علما کا اصول ہے: "عدم العلم بالشئ لیس علما بالعدم" یعنی کسی شے کا علم نہ ہونا، اس شے کے عدم پر دلالت نہیں کرتا، کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شے واقع ہو جاتی ہے، لیکن بعض لوگوں کو اس کا علم نہیں ہو پاتا۔ متعدد اشیاء ایسی ہوتی ہیں جن کو ثابت نہیں کیا جا سکتا، مگر حقیقت حال میں ان کا وجود ہوتا ہے۔ جیسا کہ کوئی شخص یہ طاقت نہیں رکھتا ہے کہ وہ اپنے علم یا عقل کی بنیاد پر جنوں کا وجود ثابت کر سکے؟

جنوں کے وجود پر موجود علمی و عقلی دلائل کا رد کرنا تو ممکن ہے، لیکن قرآن و حدیث سے جنوں کا وجود، اوصاف اور ہیئت ثابتہ کا انکار کرنا ممکن نہیں۔ ہم متعدد ایسے لوگوں کو جانتے ہیں جنہوں نے جنوں کے ساتھ کلام کی یا جن ان کے ساتھ ہم کلام ہوئے ہیں، نیز جنوں سے متاثر بے شمار لوگوں کو بھی جانتے ہیں۔ اِمام احمد (متوفیٰ 241ھ)، ابن ابی شیبہ (متوفیٰ 235ھ) اور دارمی (متوفیٰ 255ھ) رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک لڑکا لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر دم کیا اور اس کو مارا تو اس کے اندر سے

---

1 ابن تيمية، تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم، مجموع الفتاوى: 12/19، مجمع الملك فهد المدينة المنورة، 1995م

2 حوار هادئ مع محمد الغزالي: ص124

ایک جن نکلا۔"[1]

اسی طرح ایک عورت کا قصہ معروف ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک لڑکے کو لے کر آئی اور بتلایا کہ یہ لڑکا دن میں کئی مرتبہ بے ہوش ہو جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکے کو اپنے سامنے بٹھایا اور اس کے منہ میں پھونک مار کر کہا: اے اللہ کے دشمن نکل جا۔ میں اللہ کا رسول بول رہا ہوں۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ لڑکا ایسے ہو گیا، جیسے کبھی بیمار ہوا ہی نہ تھا۔[2]

شیخ سلمان بن فہد العودہ شیخ موصوف کے موقف پر مزید تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"ہمیشہ سے لوگ اس طرح کے واقعات و قصص بیان کرتے رہے ہیں کہ وہ جنوں سے متاثر ہیں۔ یہ موضوع اگرچہ بہت طویل ہے، مگر ہمارے خیال میں موضوع کی مناسبت سے چند واقعات کو یہاں ذکر کرنا فائدہ سے خالی نہیں۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے مجموع الفتاوی میں جنوں کو مارنے اور جنوں کی چیخ و پکار کے متعدد واقعات ذکر کئے ہیں، جو لوگوں کی ایک بڑی تعداد میں وقوع پذیر ہوئے۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے عالم دین نے ان واقعات کو لوگوں کی بڑی تعداد کی موجودگی میں اپنی آنکھوں سے دیکھا اور وہ ان قصص و واقعات کے چشم دید گواہ ہیں۔"[3]

اب ان واقعات کو کیسے خیالات و اوہام قرار دیا جا سکتا ہے؟ اور کیا شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو اس سلسلے میں جھوٹا قرار دیا جائے گا؟

شیخ محمود عبد الحلیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الإخوان المسلمون أحداث ضعف التاریخ" میں شیخ حسن البنا رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 1368ھ) کے حوالے سے ایک قصہ نقل کیا ہے کہ

"وہ کسی شہر میں گئے اور ان کے حامیوں اور متبعین نے ان کا بھرپور انداز میں استقبال کیا۔ ان میں سے ایک شخص کچھ دور پریشان حالت میں کھڑا تھا۔ شیخ حسن البناء رحمۃ اللہ علیہ اس شخص کے پاس گئے اور حقیقت حال پوچھی۔ اس نے کہا کہ میری بیوی کو کبھی کبھی دورہ پڑ جاتا ہے۔ آج آپ کی آمد کے موقع پر بھی اس کے ساتھ یہی ہوا ہے۔ وہ اس دورے کی حالت میں ہمیں مارتی پیٹتی اور بلند آوازیں نکالتی اور چیخ و پکار کرتی ہے۔ شیخ حسن البناء رحمۃ اللہ علیہ نے اس آدمی کو کہا کہ ہمیں اپنے گھر لے چلو۔ جب وہ اس کے گھر کے پاس پہنچ گئے تو کہا کہ اندر جاؤ اور اپنی بیوی کو باپردہ ہو جانے کا حکم دو، پھر ہمیں اندر بلا لینا۔ اس شخص نے ایسے ہی کیا۔ شیخ حسن البناء رحمۃ اللہ علیہ اندر داخل ہو گئے اور اس عورت کو دم کیا۔ وہ عورت سختی سے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ گھر والوں نے اس کو مضبوطی سے پکڑے رکھا، لیکن اس کے ہاتھ پاؤں مارنے کی وجہ سے اس کے اوپر اوڑھی گئی چادر پھٹ گئی اور اس کے پاؤں اور پنڈلیوں کا کچھ

---

[1] مسند أحمد: 17549/29

[2] أیضاً:17563/4

[3] حوار هادئ مع محمد الغزالي: ص125

حصہ ننگا ہو گیا تو عورت کہنے لگی: یہ حسن البناء ہیں، جو مسلمانوں کے اِمام ہیں، لیکن عورتوں کا ستر دیکھ رہے ہیں، حالانکہ وہ شیخ حسن البناء ﷫ کو بالکل نہیں جانتی تھی۔ شیخ نے اپنا چہرہ پھیر لیا اور اپنا دم جاری رکھا۔ جب عورت کی پنڈلی ننگی ہوتی، شیخ اس کو ڈھانپ دینے کا حکم دیتے اور مسلسل قرآنی آیات پڑھتے جاتے۔ حتی کہ اس عورت سے جن بھاگ نکلا اور وہ صحیح سلامت ہو کر اٹھ کر بیٹھ گئی اور حیرت و استعجاب سے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے کہنے لگی کہ مجھے یہاں کون لایا ہے؟ اور میرے ارد گرد یہ لوگ کیوں جمع ہیں؟"[1]

مذکورہ واقعہ تو فقط ایک مثال ہے، ورنہ اس معاملہ پر عینی شاہدین کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ یہ مسئلہ بیان کا محتاج ہی نہیں ہے۔ تعجب اس امر پر ہے کہ شیخ محمد الغزالی ﷫ جو ظاہر قرآن کے خلاف آنے کی بنیاد پر صحیح احادیث کو رد کر دیتے ہیں، انہوں نے قرآن کے اس ظاہر سے نظر پھیر لی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ﴾[2]

"مگر جو لوگ سود کھاتے ہیں، اُن کا حال اُس شخص کا سا ہوتا ہے، جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو۔"

کیا یہ آیت جنوں کے وجود اور اس کے انسانی جسم میں داخل ہونے پر نص صریح نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ سے صحیح ثابت ہے، کہا آپ ﷺ نے فرمایا:

«الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ ابْنِ آدَمَ مَجْرَى الدَّمِ.»[3]

"شیطان انسان کی رگوں میں ایسا دوڑتا ہے جیسے خون۔"

نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ ہڈیاں، گوبر اور لید وغیرہ جنوں کی خوراک ہے۔[4] ایک رات نبی کریم ﷺ نے ایک جن کو پکڑ لیا، لیکن بعد میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کی وجہ سے چھوڑ دیا اور فرمایا:

«لولا دعوة أخي سليمان لاصبح موثقا يلعب به صبيان أهل المدينة.»[5]

"اگر میرے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا نہ ہوتی تو صبح تک بندھا رہتا اور اہل مدینہ کے بچے اس کے ساتھ کھیلتے۔"

اس سلسلہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آنے والا قصہ مشہور ہے کہ شیطان انسانی شکل میں چور بن کر روز آتا اور مال غنیمت چوری کرتا تھا۔[6] جن اور شیطان کے وجود کا تعلق امور غیبیہ سے ہے، لہٰذا جنوں کا

---

1 حوار هادئ مع محمد الغزالي: ص126-127

2 سورة البقرة:2:275

3 صحيح البخاري، كتاب الاعتكاف، باب هل يدرأ المعتكف عن نفسه: 2039

4 صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب الجهر بالقراءة في الصبح والقراءة على الجن: 450

5 ابن حبان، محمد بن حبان، صحيح ابن حبان، باب ذكر الإخبار عن إباحة دعاء المرء في صلاته: 1320، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الأولى، 1988م

6 صحيح بخاري، كتاب فضائل القرآن، باب فضل سورة البقرة: 5010

مشاہدہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کا انکار درست نہیں۔ فلسفۂ مغرب سے مرعوب متعدد دینداروں کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اس طرح کے امورِ غیبیہ سے متعلق مسائل میں شکوک و شبہات اور تردد کا شکار ہو جاتے ہیں اور اپنی طرف سے ان کی من گھڑت تاویل کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ حساب و کتاب، جنت و جہنم اور عذابِ قبر کی بھی تاویل کرتے ہیں اور باطنیہ و فلاسفہ کی مانند ان امورِ غیبیہ کو اوہام و خرافات قرار دیتے ہیں۔ اس جیسے امور میں تاویل کا دروازہ کھولنا ارتداد کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے۔

باقی رہا شیخ موصوف کا یہ کہنا کہ "جاپانیوں، روسیوں اور امریکیوں وغیرہ کو جن کیوں نہیں لگتے"، درست نہیں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان پر بھی جن حملہ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان ممالک میں کثیر تعداد میں دماغی اور نفسیاتی مریض ہسپتالوں میں موجود ہیں۔ چونکہ وہ لوگ جنوں کے وجود کے سرے سے ہی منکر ہیں، اس لئے وہ جنوں کے حملوں کے بالاولیٰ منکر ہیں۔ وہ جنوں کے لمس کو مختلف دماغی اور نفسیاتی امراض جیسے تشنج وغیرہ کا نام دیتے ہیں۔ امر واقع میں ایسا کوئی ثبوت نہیں ہے، جس سے معلوم ہو کہ ان لوگوں پر جن حملہ نہیں کرتے ہیں۔ شیخ سلمان بن فہد العودہ اپنا ذاتی مشاہدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "ایک دفعہ ہم امریکہ گئے اور وہاں پر موجود پڑھنے والے سعودی طلبہ کی ایک کثیر تعداد نے بتایا کہ یہاں ہمارے پاس ایک شخص کو جن لگ گئے تھے، جو اس مریض شخص کی زبان سے کلام بھی کرتے تھے۔ لہٰذا اس شخص کا علاج کرانے کے لیے اس کو امریکہ سے سعودی عرب منتقل کر دیا گیا ہے، تاکہ وہاں پر مشائخ و علماء وغیرہ سے اس کا علاج کروایا جا سکے۔"[1]

شیخ غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار کا ایک اور زاویے سے جائزہ

شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں شیخ سلمان بن فہد العودہ کا یہ تبصرہ گذر چکا ہے کہ شیخ الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "السنة النبوية بين أهل الفقه وأهل الحديث" میں ان کی مراد اہل فقہ یا اہل الحدیث سے کیا ہے؟ اس بارے میں ان کی مختلف عبارات میں خود تضاد اور تناقض ہے۔ ان کی عام کتب اور کتاب ہذا کے تجزیاتی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ان کی فکر سے کسی محترم فقیہ یا مکرم محدث کا اختلاف ہو جائے تو وہ اسے بے بصیرتی کے معنی میں لے کر 'اہل حدیث' کے نام سے موسوم کر دیتے ہیں، اور اگر ان کی فکر کی کسی بدعتی یا شاذ رائے کے حامل شخص کے قول سے تائید ہوتی ہو تو اسے وہ 'اہل فقہ' کہہ کر اہل تدبر میں شمار کرتے ہیں، خواہ اس فکر کے خلاف (دونوں صورتوں میں) تمام فقہائے کرام کا اجماع ہی کیوں نہ ہو۔ گویا موصوف کا کوئی مذہب نہیں، نہ وہ محدثین عظام رحمہم اللہ کے مؤید ہیں اور نہ ہی فقہائے کرام رحمہم اللہ کے زمرے میں خود کو شامل کرنا چاہتے ہیں۔ شیخ سلمان بن

---

[1] حوار هادئ مع محمد الغزالي: ص127

فہد العودہ شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کے اس طرز عمل پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"شیخ الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کی آخری ترین تصنیفات میں سے السنۃ النبویۃ بین أہل الفقہ وأہل الحدیث کو بطور خاص ذکر کیا جاتا ہے، لیکن اس کتاب میں موصوف نے کہیں بھی اہل فقہ اور اہل حدیث سے اپنی مراد کو واضح نہیں کیا۔[1]

شیخ العودہ مزید لکھتے ہیں:

"شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کی دیگر کتب کے مطالعہ سے یہ غموض مزید پیچیدہ ہو جاتا ہے کیونکہ بعض مقامات پر اہل الحدیث سے ان کی مراد حدیث کی خدمت میں مصروف لوگ ہوتے ہیں، جبکہ بعض مقامات پر اہل الحدیث سے ان کی مراد آئمہ ثلاثہ اِمام شافعی، اِمام مالک اور اِمام احمد رحمۃ اللہ علیہم ہوتے ہیں۔ اس عنوان سے ان کی کیا مراد ہے، کوئی نہیں جانتا، کیونکہ بسا اوقات شیخ الغزالی رحمۃ اللہ علیہ محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کی تائید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، جیسا کہ نکاح کرنے میں باکرہ پر جبر کرنے کا مسئلہ ہے، اور بسا اوقات اہل الرائے کی تائید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جیسا کہ عورت کا اپنی مرضی سے جہاں چاہے شادی کرنے کا مسئلہ ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے لیے یہ جاننا ضروری نہیں ہے کہ اہل حدیث اور اہل فقہ سے شیخ الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد کیا ہے؟ کیونکہ اس مسئلہ میں بذات خود ان کی اپنی رائے متردد ہے۔"[2]

شیخ العودہ رحمۃ اللہ علیہ نے جن دو روایات کی طرف مذکورہ عبارت میں اشارہ کیا ہے، ذیل میں ہم انہی مسائل کے ذریعے یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کو اہل فقہ یا اہل حدیث میں سے کسی ایک گروہ سے کوئی ذاتی دلچسپی نہیں، بلکہ اصل بات ان کے نزدیک اپنے نظریات کی تائید تلاش کرنا ہے۔

بیوہ عورت سے نکاح کے مسئلہ میں شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف

شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"محدثین کرام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "کنواری لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے، جبکہ بیوہ اپنے رشتہ کے انتخاب میں اپنے ولی سے زیادہ حقدار ہے۔" یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد شیخ لکھتے ہیں کہ "اس حدیث کی موجودگی کے باوجود شوافع اور حنابلہ کے نزدیک باپ اپنی کنواری بیٹی پر نکاح کرنے کے سلسلے میں جبر کر سکتا ہے، جو سراسر عورت کی توہین اور اس کی شخصیت کی تحقیر ہے۔"[3]

---

1 حوار هادئ مع محمد الغزالي: ص 6-7

2 أيضاً: ص170

3 السنة النبوية: ص32-33

شیخ کی مذکورہ عبارت کا جائزہ

اس حدیث کو امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابو داؤد اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہم نے روایت کیا ہے۔ شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں شافعیہ اور حنابلہ کے حوالے سے جو بات کہی ہے، وہ محل نظر ہے کیونکہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلہ میں دو روایتیں ثابت ہیں۔ ایک روایت میں وہ نکاح کرنے میں بالغہ پر جبر کرنے کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس کی رضامندی سے نکاح کیا جائے اور یہی دوسری روایت ہی راجح ہے اور اسی کو امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ جیسے حنبلی علمانے ترجیح دی ہے۔ البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے شیخ کا کلام درست ہے کہ ان کے نزدیک باپ بالغہ لڑکی کی شادی اس کی رضامندی کے خلاف کر سکتا ہے،[1] لیکن اس بارے میں ہم عرض کریں گے کہ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اجتہاد ہے، جبکہ اجتہاد درست بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی۔ اس مسئلہ میں درست بات وہی ہے جس پر امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 751ھ) اور خود شیخ الغزالی رحمۃ اللہ علیہ ہیں کہ بالغہ پر جبر نہیں کیا جا سکتا، بلکہ نکاح کے لئے اس کی رضامندی ضروری ہے۔

عورت کی توہین و تحقیر کے سلسلے میں شیخ نے جو بات کہی ہے، اس حوالے سے ہماری رائے یہ ہے کہ یہ فتویٰ ان ائمہ کرام کا اجتہاد ہے۔ اس اجتہاد کی دلیل ان ائمہ کے پاس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا عمل ہے کہ انہوں نے سیدہ عائشہؓ کی شادی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کم عمری میں ہی کر دی تھی۔ بہر حال امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اجتہاد ایک اجتہادی رائے ہے، کیونکہ باپ کو جب اپنی بالغہ بیٹی کے مال میں اس کی رضامندی کے بغیر تصرف کا اختیار حاصل نہیں ہے تو اس کی زندگی کے بارے میں یہ اختیار اسے کیسے دیا جا سکتا ہے۔[2]

'عورت کا ازخود اپنا نکاح کرنے' کے سلسلہ میں شیخ کا موقف

شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ عورت کے نکاح کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

"امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت ازخود اپنا نکاح کر سکتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی ہے۔ جیسا کہ سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾ لہٰذا عورت کا ازخود اپنا نکاح کر لینا صحیح ہے، جبکہ: «أيما امرأة نكحت نفسها فنكاحها باطل باطل باطل» والی حدیث ظاہر قرآن کے مخالف ہونے کی وجہ سے مردود اور باطل ہے۔"[3]

مذکورہ مسئلہ میں شیخ موصوف کے موقف کا جائزہ

موصوف کی مذکورہ تاویل محل نظر ہے۔ سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہو گا کہ اس آیت مبارکہ میں نکاح کا کیا

---

1 الشافعي، أبو عبد الله محمد بن إدريس، الأم: 18/5، دار المعرفة، بيروت، لبنان، 1990م

2 حوار هادئ مع محمد الغزالي: ص103

3 السنة النبوية: ص25

معنیٰ ہے، عقد یا جماع؟ دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ نکاح سے مراد جماع ہے، عقد نہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت سے کہا تھا:

«أَتُرِيدِينَ أَنْ تَرْجِعِي إِلَى رِفَاعَةَ؟ لاَ، حَتَّى تَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ وَيَذُوقَ عُسَيْلَتَكِ» [1]

"کیا تو چاہتی ہے کہ تو رفاعہ کی طرف لوٹ جائے اور یہ اس وقت تک درست نہیں ہے جب تک کہ تو اس کی لذت اور وہ تیری لذت نہ چکھ لے۔"

اس روایت کی روشنی میں ثابت ہوتا ہے کہ ﴿حتی تنکح﴾ کا معنیٰ «حتی یجامع زوجا آخر» ہوگا۔ گویا اس سے 'عقد' مراد لینا درست نہیں ہے، کیونکہ اگر کوئی عورت عقد کے بعد جماع کئے بغیر طلاق لینا چاہے تو وہ اپنے پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوگی، جیسا کہ مذکورہ حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے۔

جمہور علما بشمول قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 182ھ) اور امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 189ھ) کے سب بغیر ولی نکاح کے عدم جواز کے ہی قائل ہیں اور ان کی دلیل اس سلسلہ میں یہ آیت کریمہ ہے:

﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ﴾ [2]

"پس تم انہیں مت روکو اس بات سے کہ وہ اپنے سابقہ خاوند سے نکاح کریں۔"

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"هذا أبين آية في كتاب الله تدل على أن النكاح لا يجوز بغير ولي." [3]

"قرآن میں سب سے زیادہ واضح نص جو بغیر ولی کے نکاح کے عدم جواز پر دلالت کرتی ہے، وہ یہ ہے۔"

کیونکہ اگر حق مخالفت، باپ کو حاصل نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس سے منع نہ فرماتا کہ تم ان کو مت روکو۔ اس معنیٰ کی کئی اور روایات صحیحہ بھی کتب حدیث میں وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً

«لا نكاح إلا بولي» [4] "ولی کے بغیر کوئی نکاح نہیں ہے۔"

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 405ھ) نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جس میں حضرت عائشہ، ام سلمہ، زینب، علی، ابن عباس، معاذ بن جبل، عبد اللہ ابن عمر، ابوذر غفاری، حضرت مقداد، عبد اللہ ابن مسعود، جابر بن سمرہ، حضرت ابوہریرہ، عمران بن حصین، عبد اللہ بن عمرو بن العاص، مسور بن مخرمہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

1 صحيح بخاری، كتاب الشهادات، باب شهادة المختبي: 2639

2 سورۃ البقرۃ:2:232

3 الأم: 5/13

4 الهيثمي، أبو الحسن نور الدين علي بن أبي بكر، صحيح ابن حبان، كتاب النكاح، باب ما جاء في الولي والشهود: 1234، دار الثقافة العربية، دمشق، الطبعة الأولى، 1992م

«فَإِنَّ الزَّانِيَةَ هِيَ الَّتِي تُزَوِّجُ نَفْسَهَا»[1] ''وہ عورت بدکار ہے جو کہ اپنا نکاح خود کر لیتی ہے۔''

اس مسئلہ کو گہرائی سے دیکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ اگر عورت کو بذات خود نکاح کی اجازت دے دی جائے، تو ممکن ہے کہ وہ کسی نوجوان کے ساتھ خلوت میں متفق ہو جائے اور ان سے زنا کا وقوع ہو جائے۔ اس دلیل کے ساتھ کہ وہ عورت اس نوجوان کے خاوند ہونے پر رضامند ہے اور اس نوجوان نے اس عورت سے عقد کر لیا ہے، حالانکہ یہ سراسر زنا ہے۔ اگر نکاح ہے تو اس کی شروط، مہر اور گواہ کہاں ہیں؟

'خبر واحد' کے حوالے سے محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف

شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ خبر واحد کے احتمالی اور ظنی ہونے کے ضمن میں رقم طراز ہیں:

''ومن الخير أن نعلم أن الفرض لايثبت إلا بدليل قطعي وإن التحريم لا يثبت إلا بدليل قطعي وأن الأدلة الظنية لها دلالة أقل من ذلك.''[2]

''ہمارے لئے بھلائی اس امر میں ہے کہ ہمیں معلوم ہو کہ فرض دلیل قطعی کے بغیر ثابت نہیں ہوتا اور تحریم بھی دلیل قطعی کے بغیر ثابت نہیں ہوتی۔ دلیل ظنی قوت میں دلیل قطعی سے کم درجہ رکھتی ہے۔''

خبر واحد کا شیخ کے ہاں کیا مقام ہے اس حوالے سے مسئلہ رضاعت کے ضمن میں شیخ کا یہ قول گذر چکا ہے کہ ''ہم کئی بار یہ تاکید کر چکے ہیں کہ اخبار احاد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ محفوظ کتاب اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متعارض ہوں اور دین میں وہم اور شک ڈالیں تو انہیں قبول کر لیا جائے۔''[3]

اس قسم کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ خبر واحد کو دین میں شرعی مقام دینے کے لیے تیار نہیں۔

مذکورہ موقف پر تبصرہ

موصوف نے یہاں (اپنے فہم کے مطابق) ایک اصولی قاعدہ ذکر کیا ہے کہ فرض دلیل قطعی (یعنی قرآنی آیت یا حدیث متواتر) کے بغیر ثابت نہیں ہوتا۔ گویا ان کی رائے میں خبر واحد دلیل قطعی نہیں، بلکہ دلیل ظنی ہوتی ہے، لہٰذا خبر واحد سے فرض ثابت نہیں ہو سکتا۔ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بعینہٖ یہی اصول اپنی کتاب مستقبل الاسلام کے صفحہ 74 پر بھی ذکر کیا ہے۔

ہمارے خیال میں کہ ہم موصوف کے اس موقف پر کوئی تبصرہ خود کرنے کی بجائے شیخ کا اپنا کلام اس حوالے سے پیش کر دیں، جس میں وہ اپنے اس موقف کی خود تردید فرما رہے ہیں۔ وہ اپنی کتاب السنۃ النبویۃ میں ہی ایک

---

1 القزويني، أبو عبد الله محمد بن يزيد، سنن ابن ماجة، أبواب النكاح، باب لا نكاح إلا بولي: 1882، دار السلام للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الأولى، 1999م

2 السنة النبوية: ص 174

3 أيضاً: ص 56

مقام پر لکھتے ہیں:

"إن الحديث الصحيح له وزنه والعمل به في فروع الشريعة له مساغ وقبول." [1]

"صحیح حدیث ایک وزن رکھتی ہے اور فروعِ شریعت پر عمل کرنے میں صحیح احادیث کو قبول کیا جاتا ہے۔"

اپنی اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"الواجب حقا أن يسمى الله قبل الأكل فقد صحّ قول رسو ل اللهﷺ: سم الله وكل بيمينك وكل مما يليك." [2]

"کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا لازم ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا قول مبارک ہے کہ کھانے سے پہلے اللہ کا نام لو، دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور سامنے سے کھاؤ۔"

مذکورہ اقتباسات سے محسوس ہوتا ہے کہ شیخ موصوف بسا اوقات بغیر سوچے سمجھے ہی کلام کر جاتے ہیں، جیسا کہ ان کے کلام میں تناقص وتعارض واضح ہے۔ ایک طرف فرض کے ثبوت کے لئے دلیلِ قطعی کو ضروری قرار دے رہے ہیں تو دوسری جانب حدیثِ صحیح کو بلا شرط قبول کرنے کی دعوت بھی دے رہے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ صحیح اصول یہی ہے کہ فرض دلیل صحیح کے ساتھ ثابت ہو جاتا ہے، خواہ وہ دلیل قطعی ہو یا ظنی۔ خبر واحد کو جب امت کی طرف سے تلقی بالقبول حاصل ہو جائے اور امت اس پر عمل کر رہی ہو تو علم کا فائدہ دیتی ہے اور یہی اصول جمہور اہل علم نے ذکر کیا ہے۔

شیخ سلمان بن فہد العودہ خبر واحد کے دلیل قطعی ہونے کے سلسلہ میں مکاتب اربعہ میں سے ہر مذہب کے فقہا رحمہم اللہ کے اقوال کو پیش کر کے ثابت کرتے ہیں کہ مذکورہ بات امت کے سلف وخلف کے ہاں مقبول ہے:

فقہائے احناف: اِمام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 490ھ) وغیرہ

فقہائے مالکیہ: قاضی عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ

فقہائے شوافع: ابو حامد الاسفرائینی، قاضی ابو الطیب الطبری، ابو اسحاق شیرازی رحمہم اللہ وغیرہ

فقہائے حنابلہ: ابو عبد اللہ بن حامد، ابو یعلی (متوفیٰ 307ھ)، ابو الخطاب رحمہم اللہ وغیرہ۔

اِمام بلقینی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 805ھ) نے الاصلاح میں لکھا ہے:

"نقل بعض الحفاظ المتأخرين عن جمع من الشافعية والحنفية والمالكية والحنابلة أنهم يقطعون بصحة الحديث التى تلقته الأمة بالقبول." [3]

"بعض متاخرین علمائے حدیث نے شافعیہ، حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ اگر خبر

---

1 السنة النبوية: ص65

2 أيضاً: ص82

3 حوار هادئ مع محمد الغزالي: ص114

واحد کو جب امت کی طرف سے تلقی بالقبول حاصل ہو جائے تو وہ علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے۔“

اس مسئلہ پر مزید معلومات کے لئے امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”مختصر الصواعق المرسلة“ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”النکت علی ابن الصلاح“ کی پہلی جلد کی طرف مراجعت فرمائیں۔ یہ تھے وہ چند اقتباسات جن میں موصوف نے اپنی کمزور اور منفرد درائے کے ساتھ احادیث نبویہ کو رد کر دیا ہے۔ مزید چند احادیث بھی ہیں، جن سے متعلق شیخ نے کلام کی ہے، مثلاً

- حجاب سے متعلق احادیث
- مسجد میں عورت کی نماز سے متعلق احادیث
- وضو کرتے وقت بسم اللہ پڑھنے سے متعلق احادیث
- نذر سے متعلق احادیث
- لڑائی سے قبل دعوت اسلام سے متعلق احادیث
- زہد اور اللہ تعالیٰ کی پنڈلی سے متعلق احادیث
- قیامت کے دن مسلمانوں کے بچوں سے متعلق احادیث وغیرہ وغیرہ

نتیجہ بحث

اس کتاب کا مطالعہ کرنے سے انسان اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ شیخ غزالی درج ذیل امور میں الجھے ہوئے ہیں:

① ان کے کلام میں علمی اسلوب کی بجائے خطابی اسلوب غالب ہے۔

② ان کی آراء اور فکر میں بھی تناقض ہے۔ لہٰذا ان کی فکر کو منظم طریقے سے جمع کرنا مشکل ہے، کیونکہ ایک مقام پر ایک بات کہہ دیتے ہیں جبکہ دوسرے مقام پر از خود اپنا رد بھی کر دیتے ہیں۔

③ خبر واحد سے متعلق ان کا منہج جمہور امت سے مختلف ہے۔ بسا اوقات وہ خبر واحد کو قبول کر لیتے ہیں اور بسا اوقات اس کا رد کر دیتے ہیں۔

④ وہ عام طور پر دورِ حاضر کی علمی اور تہذیبی ترقی سے مرعوب ہو جاتے ہیں، چنانچہ مختلف مسائل میں ان کی طرف اپنا میلان ظاہر کرتے ہیں۔

⑤ اجماع امت کی مخالفت کرتے ہیں اور مسائل فقہیہ میں شاذ آراء کے حامل ہیں۔

⑥ اہل علم میں سے جب کسی کا قول ان کے نظریے کے موافق ہوتا ہے تو بطور دلیل اس کے قول کو پیش کرتے ہیں اور اگر ان کے نظریے کے خلاف ہو، تو اس سے صرف نظر کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔